خطبہ نمبر

قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران 74)

روزنامہ

الفضل لندن

مدیر۔ابوسعید

Online Edition

سوموار 13 دسمبر 2021ء | 8 جمادی الاول 1443 ہجری قمری | 13 فتح 1400 ہجری شمسی | جلد: 3 | شمارہ: 295

ارشاد باری تعالیٰ

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿٢﴾ الَّذِیۡنَ ہُمۡ فِیۡ صَلَاتِہِمۡ خٰشِعُوۡنَ ﴿٣﴾
وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ﴿٤﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوۡنَ ﴿٥﴾
وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِفُرُوۡجِہِمۡ حٰفِظُوۡنَ ﴿٦﴾ اِلَّا عَلٰۤی اَزۡوَاجِہِمۡ اَوۡ مَا مَلَکَتۡ
اَیۡمَانُہُمۡ فَاِنَّہُمۡ غَیۡرُ مَلُوۡمِیۡنَ ﴿٧﴾ فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ
ہُمُ الۡعٰدُوۡنَ ﴿٨﴾ وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ لِاَمٰنٰتِہِمۡ وَ عَہۡدِہِمۡ رٰعُوۡنَ ﴿٩﴾ وَ الَّذِیۡنَ
ہُمۡ عَلٰی صَلَوٰتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ﴿١٠﴾ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ﴿١١﴾ الَّذِیۡنَ
یَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ ؕ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ ﴿١٢﴾

(المؤمنون: 2 تا 12)

ترجمہ:۔ یقیناً مومن کامیاب ہو گئے۔ وہ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو لغو سے اِعراض کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو زکوٰۃ (کا حق) ادا کرنے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں سے نہیں یا اُن سے (بھی نہیں) جن کے اُن کے داہنے ہاتھ مالک ہوئے پس یقیناً وہ ملامت نہیں کئے جائیں گے۔ پس جو اس سے ہٹ کر کچھ چاہے تو یہی لوگ ہیں جو حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی نگرانی کرنے والے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں پر محافظ بنے رہتے ہیں۔ یہی ہیں وہ جو وارث بننے والے ہیں۔ (یعنی) وہ جو فردوس کے وارث ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

فرمان رسول ﷺ

حقیقی مفلس کون؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں سے حقیقی مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا اور اس نے کسی کو گالی دی ہو گی، کسی پر بہتان لگایا ہو گا اور کسی کا مال کھایا ہو گا اور کسی کا خون بہایا ہو گا اور کسی کو مارا ہو گا۔ پس اس کی نیکیاں ان لوگوں کو دے دی جائیں گی جن کے ساتھ اس نے یہ سلوک کیا ہو گا۔ اگر اس کی نیکیاں اس کا حساب برابر ہونے سے قبل ختم ہو گئیں تو ان لوگوں کے جو گناہ ہیں اس ظلم کرنے کی وجہ سے اس کے سر پہ ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اس کو آگ میں پھینک دیا جائے گا۔

(مسلم، کتاب البر والصلۃ باب تحریم الظلم)

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

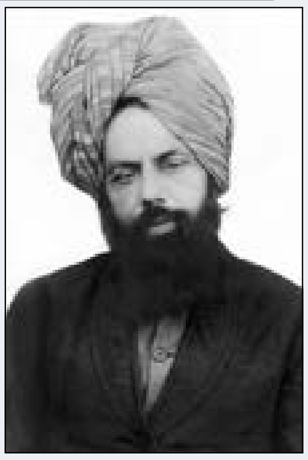

لغویات، گناہ بے لذّت ہیں

’’دوسرا کام مومن کا یعنی وہ کام جس سے دوسرے مرتبہ تک قوت ایمانی پہنچتی ہے اور پہلے کی نسبت ایمان کچھ قوی ہو جاتا ہے، عقلِ سلیم کے نزدیک یہ ہے کہ مومن اپنے دل کو جو خشوع کے مرتبہ تک پہنچ چکا ہے لغو خیالات اور لغو شغلوں سے پاک کرے۔ کیونکہ جب تک مومن یہ ادنیٰ قوت حاصل نہ کر لے کہ خدا کے لئے لغو باتوں اور لغو کاموں کو ترک کر سکے جو کچھ بھی مشکل نہیں اور صرف گناہ بے لذت ہے اس وقت تک یہ طمع خام ہے کہ مومن ایسے کاموں سے دستبردار ہو سکے جن سے دستبردار ہونا نفس پر بہت بھاری ہے اور جن کے ارتکاب میں نفس کو کوئی فائدہ یا لذت ہے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ پہلے درجہ کے بعد کہ ترک تکبر ہے دوسرا درجہ ترک لغویات ہے۔ اور اس درجہ پر وعدہ جو لفظ اَفۡلَحَ سے کیا گیا ہے یعنی فوزِ مرام اس طرح پر پورا ہوتا ہے کہ مومن کا تعلق جب لغو کاموں اور لغو شغلوں سے ٹوٹ جاتا ہے تو ایک خفیف سا تعلق خدا تعالیٰ سے اس کو ہو جاتا ہے اور قوت ایمانی بھی پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ اور خفیف تعلق اس لئے ہم نے کہا کہ لغویات سے تعلق بھی خفیف ہی ہوتا ہے۔ پس خفیف تعلق چھوڑنے سے خفیف تعلق ہی ملتا ہے‘‘

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 230-231)

’’رہائی یافتہ مومن وہ لوگ ہیں جو لغو کاموں اور لغو باتوں اور لغو حرکتوں اور لغو مجلسوں اور لغو صحبتوں سے اور لغو تعلقات سے اور لغو جوشوں سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں‘‘

(تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد سوم سورۃ النحل تا سورۃ یٰس صفحہ 359)

فرمان خلیفہ وقت

’’وہ اعمال کیا ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی جنتوں کے وارث ہو گے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ اس کے مختلف درجے ہیں۔ فرمایا پہلا زینہ یا درجہ نمازوں میں عاجزی دکھانا ہے۔ دوسرا زینہ یہ ہے کہ لغویات سے پرہیز کرنا۔ تیسرا درجہ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنا ہے۔ پھر چوتھی سیڑھی یا درجہ یہ ہے کہ فروج کی حفاظت کرنا یعنی شرمگاہوں کی۔ اسی طرح منہ آنکھ کان وغیرہ کی بھی حفاظت کرنا اور ان کا صحیح استعمال کرنا۔ پھر پانچواں قدم اس سیڑھی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق سے کئے گئے عہدوں اور وعدوں کی ادائیگی۔ پھر چھٹا درجہ ہے کہ نمازوں کی حفاظت کرنے والے یہ لوگ ہوتے ہیں۔ یعنی ایک فکر کے ساتھ اپنی نمازوں کی بروقت ادائیگی کی طرف توجہ رکھتے ہیں۔ تو جیسا کہ میں نے پہلے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فردوس کے وارث بننے کے لئے، میری جنتوں کے وارث بننے کے لئے تمہیں یہ تمام منزلیں طے کرنی ہوں گی۔ ان میں سے کسی درجے کو بھی کم نہ سمجھو۔ یہ تمہیں بتدریج اُس معیار تک پہنچانے کے لئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا معیار ہے۔ اس لئے ان آیات کے شروع میں ہی بتا دیا کہ تمہاری فلاح، تمہاری کامیابی، تمہارا

بقیہ صفحہ 9 پر

اس شمارہ میں

- دربار خلافت
- بحکمت ہے وہ کلام تمام (منظوم)
- خلاصہ خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ
- خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ

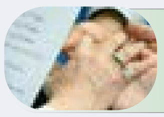

دربارِ خلافت

مخالفین اسلام اور محمد عربیؐ کی عظمت کا اقرار

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

اس وقت میں ایسے ہی کچھ لوگوں کی تحریریں پیش کروں گا جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متاثر ہو کر، آپ کی شخصیت سے متاثر ہو کر آپ کے بارے میں لکھا ہے۔ ان میں سے بعض مخالفین بھی تھے اور مخالفت میں بڑھے ہوئے تھے لیکن حقیقت لکھنے پر مجبور ہوئے۔

George sale ایک مصنف ہیں جنہوں نے انگریزی ترجمہ قرآن (The Koran) میں To the reader کے عنوان سے ایک باب لکھا ہے۔ یہ اسلام کے بارے میں کوئی ہمارے حق میں نہیں ہیں۔ اسی طرح ایک مصنف سپین ہیمس (Spanhemius) ہے۔ وہ بھی اسلام کا کافی مخالف ہے۔ لیکن اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بعض باتیں کہی ہیں اور یہ اس کے بارہ میں لکھتا ہے کہ یہ تو نیک آدمی ہے۔ وہ نیک تو بہرحال نہیں ہے لیکن کم از کم انصاف لکھنے پر مجبور تھا۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے بارہ میں جو لکھا ہے یہ اُس کے حوالے سے لکھ رہے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ:

’’محمد صلی اللہ علیہ وسلم کامل طور پر فطری قابلیتوں سے آراستہ تھے، شکل میں نہایت خوبصورت، فہیم اور دُور رس عقل والے۔ پسندیدہ وخوش اطوار۔ غرباء پرور، ہر ایک سے متواضع۔ دشمنوں کے مقابلہ میں صاحب استقلال وشجاعت۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ خدائے تعالیٰ کے نام کا نہایت ادب واحترام کرنے والے تھے۔ جھوٹی قسم کھانے والوں، زانیوں، سفّاکوں، جھوٹی تہمت لگانے والوں، فضول خرچی کرنے والوں، لالچیوں اور جھوٹی گواہی دینے والوں کے خلاف نہایت سخت تھے۔ بردباری، صدقہ وخیرات، رحم وکرم، شکرگزاری، والدین اور بزرگوں کی تعظیم کی نہایت تاکید کرنے والے اور خدا کی حمد وتعریف میں نہایت کثرت سے مشغول رہنے والے تھے۔‘‘

(The Koran by George Sale,Gent,fifth edition,Philadelphia;J.B.Lippincott&Co1860,page iv-iiv)

اور یہ سب کچھ لکھنے کے باوجود وہ بعض جگہ جا کے آپ پر الزام تراشی بھی کرتا ہے۔

پھر ایک مصنف سٹینلے لین پول Stanley Lane-Poole ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ: حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے آبائی شہر مکہ میں جب فاتحانہ داخل ہوئے اور اہل مکہ آپ کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے تھے تو اُن سب کو معاف کر دیا۔ یہ ایسی فتح تھی اور ایسا پاکیزہ فاتحانہ داخلہ تھا جس کی مثال ساری تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔

(The Speeches and Tablets of the Prophet Mohammad by Stanley Lane-poole,Macmillan and Co.1882, page xlvi-xlvii)

پھر The Outline of History کے مصنف ہیں پروفیسر ایچ جی ویلز (H.G.Wells)۔ یہ کہتے ہیں کہ ’’پیغمبر اسلام کی صداقت کا یہی بڑا ثبوت ہے کہ جو آپ کو سب سے زیادہ جانتے تھے، وہی آپ پر سب سے پہلے ایمان لائے۔...حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہرگز جھوٹے مدعی نہ تھے۔...اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام میں بڑی خوبیاں اور باعظمت صفات موجود ہیں۔... پیغمبر اسلام نے ایک ایسی سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس میں ظلم اور سفاکی کا خاتمہ کیا گیا۔‘‘

(The Outline of History by H.G.Wells,part II)

پھر ڈی لیسی اولیرے (De Lacy O'Leary) اپنی کتاب اسلام ایٹ دی کراس روڈز (Islam at the Cross roads) میں لکھتا ہے کہ:

’’تاریخ نے اس بات کو کھول کر رکھ دیا ہے کہ شدت پسند مسلمانوں کا دنیا پر فتح پا لینا اور تلوار کی نوک پر مفتوحہ اقوام میں اسلام کو نافذ کر دینا تاریخ دانوں کے بیان کردہ قصوں میں سے فضول ترین اور عجیب ترین قصہ ہے‘‘

(Islam at the Cross Roads by De Lacy O'Leary,London1923p.8)

یعنی یہ جو تاریخ دان لکھتے ہیں ناں کہ تلوار کی نوک پر فتح پائی۔ کہتا ہے یہ قصے فضول ترین قصے ہیں۔ پھر مہاتما گاندھی ایک جریدہ young India میں لکھتے ہیں کہ:

’’میں اُس شخص کی زندگی کے بارہ میں سب کچھ جاننا چاہتا تھا جس نے بغیر کسی اختلاف کے لاکھوں پر حکومت کی۔ اُس کی زندگی کا مطالعہ کر کے میرا اس بات پر پہلے سے بھی زیادہ پختہ یقین ہو گیا کہ اسلام نے اُس زمانے میں تلوار کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں جگہ نہیں بنائی بلکہ اس پیغمبر کی سادگی، اپنے کام میں مگن رہنے کی عادت، انتہائی باریکیوں کے ساتھ اپنے عہدوں کو پورا کرنا اور اپنے دوستوں اور پیروکاروں کے ساتھ انتہائی عقیدت رکھنا، بیباک و بے خوف ہونا اور خدا کی ذات اور اپنے مشن پر کامل یقین ہونا، اُس کی یہی باتیں تھیں جنہوں نے ہر مشکل پر قابو پایا اور جو سب کو ساتھ لے کر چلیں۔ جب میں نے اس پیغمبر کی سیرت کے متعلق لکھی جانے والی کتاب کی دوسری جلد بھی ختم کر لی تو مجھ پر اس کتاب (سیرت کے بارے میں جو بھی کتاب پڑھ رہے تھے) کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اداسی طاری ہو گئی۔‘‘

(Mahatma Gandhi,Statement published in "Young India",1924)

(خطبہ جمعہ 5/ اکتوبر 2012ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

بحر حکمت ہے وہ کلام تمام

اس جہاں کو بقا نہیں پیارو
یہ تو رہنے کی جا نہیں پیارو
کوئی اس میں رہا نہیں پیارو
اس خرابہ میں کیوں لگاؤ دل
ہاتھ سے اپنے کیوں جلاؤ دل
کیوں نہیں تم کو دینِ حق کا خیال
ہائے سو سو اٹھے ہے دل میں ابال
کیوں نہیں دیکھتے طریق صواب
کس بلا کا پڑا ہے دل پہ حجاب
اے عزیزو! سنو کہ بے قرآں
حق کو ملتا نہیں کبھی انساں
جن کو اس نور کی خبر ہی نہیں
ان پہ اس یار کی نظر ہی نہیں
ہے یہ فرقاں میں اک عجیب اثر
کہ بناتا ہے عاشقِ دلبر
کوئے دلبر میں کھینچ لاتا ہے
پھر تو کیا کیا نشاں دکھاتا ہے
دل میں ہر وقت نور بھرتا ہے
سینہ کو خوب صاف کرتا ہے
وہ ہمیں دلستاں تلک لایا
اس کے پانے سے یار کو پایا
بحر حکمت ہے وہ کلام تمام
عشق حق کا پلا رہا ہے جام
بات جب اس کی یاد آتی ہے
یاد سے ساری خلق جاتی ہے
سینہ میں نقش حق جماتی ہے
دل سے غیر خدا اٹھاتی ہے
درد مندوں کی ہے دوا وہی ایک
ہے خدا سے خدا نما وہی ایک
ہم نے پایا خورِ ہدیٰ وہی ایک
ہم نے دیکھا ہے دلربا وہی ایک

(براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ 268 مطبوعہ 1882ء)

خلاصہ خطبہ جمعہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 10؍ دسمبر 2021ء بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد ٹلفورڈ یو کے

☆... حضرت ابو بکرؓ نے "بغیر کسی توقف اور تردد" کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر کے آپؐ کی تصدیق کی

☆... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جسے بھی اسلام کی طرف بلایا اُس نے ٹھوکر کھائی اور انتظار کرتا رہا سوائے ابو بکرؓ کے

☆... حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ابو بکری فطرت کے رنگ میں رنگین ہوئے بغیر صدیقی کمالات حاصل نہیں ہو سکتے

☆... حضرت ابو بکرؓ نے اپنے مصدق ہونے کو اپنے افعال سے ثابت کر دکھایا، مرتے دم تک نبھایا اور بعد مرنے کے بھی ساتھ نہ چھوڑا

آنحضرت صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے عظیم المرتبت خلیفۂ راشد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات اور مناقبِ عالیہ

امیرالمومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مورخہ 10؍ دسمبر 2021ء کو مسجد مبارک، اسلام آباد، ٹلفورڈ، یو کے میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جو مسلم ٹیلی وژن احمدیہ کے توسّط سے پوری دنیا میں نشر کیا گیا۔ جمعہ کی اذان دینے کی سعادت فیروز عالم صاحب کے حصے میں آئی۔تشہد، تعوذ اور سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورِ انور ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

حضرت ابو بکرؓ کے قبول اسلام کی بعض باتیں مختلف زاویوں سے بیان کی گئی ہیں مگر واقعہ ایک ہی ہے۔ اسد الغابہ میں ذکر ملتا ہے کہ یمن میں ازد قبیلہ کے ایک بوڑھے شخص نے اپنے سچے علم کی روشنی میں حرم میں ایک نبی کے مبعوث ہونے اور اُس کے مددگار شخص کے پیٹ پر تِل، بائیں ران پر ایک علامت، بڑی عمر، پتلا جسم اور چند دیگر صفات کا حضرت ابو بکرؓ میں موجود ہونے کی نشاندہی کرتے ہوئے اُن کو خبردار کیا کہ ہدایت سے انحراف نہ کرنا، مثالی و بہترین راستے کو مضبوطی سے تھام کر خدا کی طرف سے دیے گئے مال و دولت کے متعلق خدا سے ڈرتے رہنا۔حضرت ابو بکرؓ نے واپس مکہ آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کے دعویٰ کی تصدیق چاہی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی یمن کے بوڑھے شخص سے ملاقات کا حوالہ دیا جس پر حضرت ابو بکرؓ نے آپؐ کے ہاتھ پر گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔

ریاض النضرۃ میں بیان کیا گیا کہ حضرت اُمِّ سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ قریش کے لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ کو کہا کہ تمہارا یہ ساتھی دیوانہ ہوگیا ہے جو لوگوں کو توحید کی طرف بلاتا اور خود کو نبی کہتا ہے۔حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں نے کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا اور بغیر کسی توقف اور تردّد کے آپؐ کی بیعت کر کے آپؐ کی تصدیق کی اور اقرار کیا کہ آپؐ جو لے کر آئے وہ حق ہے۔ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جسے بھی اسلام کی طرف بلایا اُس نے ٹھوکر کھائی اور انتظار کرتا رہا سوائے ابو بکرؓ کے۔

حضرت مصلح موعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میں آپؐ پر ایمان لاتا ہوں کیونکہ آپؐ کو صادق اور راستباز تسلیم کرنے کے بعد کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ایک اور جگہ بیان کیا کہ حضرت ابو بکرؓ کا ایمان لانا عجیب طور تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ پر کسی سوال کے بجائے نہ صرف آپؐ کی صداقت کی خود گواہی دی بلکہ سات اور نوجوان آپؓ کے سمجھانے پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔حضرت ابو بکرؓ کو بڑے بڑے ابتلا آئے، جائیدادیں اور وطن چھوڑنا پڑا، عزیزوں کو قتل کرنا پڑا مگر اُن کے پایہ ثبات میں کبھی لغزش نہیں آئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کو صدیق کا خطاب دیا۔ اگر غور کیا جائے تو حضرت ابو بکرؓ کے صدق کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ کسی بھی شخص کو ممکن حد تک مجاہدہ کرنے، حتی المقدور دعا سے کام لینے اور ابو بکری فطرت کے رنگ میں رنگین ہوئے بغیر صدیقی کمالات حاصل نہیں ہو سکتے۔حضرت ابو بکرؓ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا مصدق ہونے کو اپنے افعال سے ثابت کر دکھایا، مرتے دم تک نبھایا اور بعد مرنے کے بھی ساتھ نہ چھوڑا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام سورۂ رحمٰن کی آیت وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ (اور جو بھی اپنے ربّ کے مقام سے ڈرتا ہے اُس کے لیے دو جنتیں ہیں) کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ کی مثال دیتے ہیں کہ سب سے زیادہ انہی کو دُکھ دیا گیا اور سب سے بڑھ کر وہی ستائے گئے تو سب سے پہلے تختِ نبوت پر بھی وہی بٹھائے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو یہاں بھی انعام سے نوازتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ اوّل مقرر کیا اور اگلے جہان میں تو ہے ہی جنت۔

مؤرخین کے نزدیک مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔علامہ احمد بن عبداللہ لکھتے ہیں کہ پہلے بالغ عربی شخص جس نے اسلام قبول کر کے اُس کا اظہار کیا وہ حضرت ابو بکرؓ بن ابو قحافہ تھے۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ لکھتے ہیں کہ ابو بکرؓ وہی تو ہے جس نے غارِ ثور میں اپنے آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتباع میں بالکل محو کر رکھا تھا اور وہ اُن سب لوگوں میں سے پہلا تھا جو رسولؐ پر ایمان لائے۔ یورپ کا مشہور مستشرق سپرنگر لکھتا ہے کہ ابو بکرؓ کا آغازِ اسلام میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خواہ دھوکا کھانے والے ہوں مگر دھوکا دینے والے ہرگز نہیں تھے۔سر ولیم میور کو بھی سپرنگر کی اس رائے سے کلی اتفاق ہے۔

اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی محبت اور نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے ایک جماعت نے آپؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا یہاں تک کہ عشرہ مبشرہ میں سے پانچ صحابہ حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے آپؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اپنی کتاب سیرت خاتم النبیینؐ میں لکھتے ہیں کہ یہ سب کے سب ایسے جلیل القدر اور عالی مرتبہ اصحاب نکلے کہ چوٹی کے صحابہ میں شمار کیے جاتے ہیں اور اُن دس صحابہ میں سے ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے جنت کی بشارت دی تھی اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت مقرّب صحابی اور مشیر شمار ہوتے تھے۔

کفار مکہ نے اسلام قبول کرنے والوں پر طرح طرح کے مظالم کیے۔ نہ صرف کمزور اور غلام مسلمان ہی ظلم و تشدد کا نشانہ بنے بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ بھی محفوظ نہ رہے۔ سیرت حلبیہ میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ قریش کا شیر کہلانے والے نوفل بن عدویہ نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت طلحہؓ کو اسلام کا اظہار کرنے پر دونوں کو پکڑ کر ایک ہی رسی سے باندھ دیا۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت طلحہؓ کو قرینین بھی کہتے ہیں یعنی دو ساتھی ملے ہوئے۔ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام کے حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے کپڑا آپؐ کی گردن میں ڈال کر آپؐ کا گلہ زور سے گھونٹا۔ اتنے میں حضرت ابو بکرؓ پہنچ گئے اور انہوں نے عقبہ کو دھکیل کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹایا اور کہا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ کہ کیا تم محض اس لیے ایک شخص کو قتل کرو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ مسجد حرام میں مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے۔حضرت ابو بکرؓ کو اطلاع ہوئی تو وہ پہنچے اور آپؓ نے کہا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَ قَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ۔ کیا تم محض اس لیے ایک شخص کو قتل کرو گے کہ وہ کہتا ہے کہ میرا ربّ اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے کھلے کھلے نشان لے کر آیا ہے۔ اس پر مشرکین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر آپؓ کو مارنے لگے۔حضرت ابو بکرؓ کی بیٹی حضرت اسماءؓ کہتی ہیں کہ آپؓ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپؓ اپنے بالوں کو ہاتھ لگاتے تو وہ آپؓ کے ہاتھ میں آجاتے اور آپؓ کہتے جاتے تھے کہ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ کہاے بزرگی اور عزت والے تو بابرکت ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: میرے ساتھ جس نے لڑائی کی مَیں نے اُسے مار گرایا مگر سب سے بہادر ابو بکرؓ ہیں۔جنگ بدر میں حضرت ابو بکرؓ اپنی تلوار سونتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو گئے کہ کوئی بھی مشرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے سے پہلے اُن سے مقابلہ کرے گا۔ پھر ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنے والے قریش کے لوگوں کو حضرت ابو بکرؓ نے مار بھگایا تو حضرت علیؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم حضرت ابو بکرؓ کی ایک گھڑی آلِ فرعون کے مومن کی زمین بھر کی نیکیوں سے بہتر ہے کیونکہ وہ شخص اپنے ایمان کو چھپاتا تھا اور یہ شخص یعنی حضرت ابو بکرؓ اپنے ایمان کا اعلان کرتا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ چند دشمنوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا پا کر پکڑ لیا اور آپؐ کے گلے میں پٹکا ڈال کر اُسے مروڑنا شروع کیا۔قریب تھا کہ آپؐ کی جان نکل جائے کہ اتفاق سے ابو بکرؓ آئے اور آپؐ کو مشکل سے چھڑایا۔ اس پر ابو بکرؓ کو اس قدر مارا پیٹا کہ وہ بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑے۔

حضرت ابو بکرؓ نے جب اسلام قبول کیا تو اُن کے پاس چالیس ہزار درہم تھے۔ آپؓ نے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کیا اور سات ایسے غلاموں کو آزاد کروایا جن کو اللہ کی وجہ سے تکلیف دی جاتی تھی۔ان غلاموں میں حضرت بلالؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، حضرت زِنیرہؓ، حضرت نھدیہؓ اور ان کی بیٹی، بنی مؤمل کی ایک لونڈی اور ام عبیس شامل تھے۔

حضور انور نے فرمایا کہ یہ ذکر آئندہ بھی انشاء اللہ چلے گا۔

☆ ... ☆ ... ☆

(بشکریہ الفضل انٹرنیشنل)

خطبہ جمعہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 19؍ نومبر 2021ء بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد ٹلفورڈ یو کے

آنحضرتؐ کے عظیم المرتبت خلیفۂ راشد فاروقِ اعظم حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ

عبداللہ بن شدّاد کہتے تھے کہ میں نے حضرت عمرؓ کی ہچکیاں سنیں اور میں آخری صف میں تھا۔ آپ یہ تلاوت کر رہے تھے۔ اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ یعنی میں تو اپنے رنج و اَلم کی صرف اللہ کے حضور فریاد کرتا ہوں

أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۵﴾

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

صحابہؓ کی پہلی حالت اور اسلام قبول کرنے کے بعد جو انقلاب

ان کی حالتوں میں آیا اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مثال حضرت عمرؓ کی بھی دی ہے۔ یہ مثال گو میں پہلے ذکر کر چکا ہوں لیکن یہاں اس حوالے سے بیان کر دیتا ہوں۔ آپؓ نے فرمایا۔ ''دیکھو صحابی کس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بنے اور کس طرح انہوں نے بڑے بڑے درجے حاصل کیے۔ اسی طرح کہ کوشش کی ورنہ یہ وہی لوگ تھے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانی دشمن تھے اور آپؐ کو گالیاں دیتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دوسرے خلیفہ ہوئے ہیں ابتداء میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے سخت دشمن تھے کہ آپؐ کو قتل کرنے کے لیے گھر سے نکلے تھے۔ راستہ میں ایک شخص ملا جس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جاتا ہوں۔ اس نے کہا پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کو تو قتل کر لو جو مسلمان ہو گئے ہیں پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارنا۔ یہ سن کر وہ غصہ سے بھر گئے اور اپنی بہن کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ آگے جا کر دیکھا تو دروازہ بند تھا اور ایک شخص قرآن کریم سنا رہا تھا اور ان کی بہن اور بہنوئی سن رہے تھے۔ اس وقت تک پردہ کا حکم نازل نہ ہوا تھا۔'' اس لیے وہ صحابی اندر گھر میں بیٹھے تھے۔ ''حضرت عمرؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہا کھولو۔ ان کی آواز سن کر اندر والوں کو ڈر پیدا ہوا کہ مار دیں گے اس لئے انہوں نے دروازہ نہ کھولا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اگر دروازہ نہ کھولو گے تو میں توڑ دوں گا۔ اس پر انہوں نے قرآن کریم سنانے والے مسلمان کو چھپا دیا اور بہنوئی بھی چھپ گیا۔ صرف بہن نے سامنے آ کر دروازہ کھولا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا: بتاؤ کیا کر رہے تھے اور کون شخص تھا جو کچھ پڑھ رہا تھا؟ انہوں نے ڈر کے مارے ٹالنا چاہا۔ حضرت عمرؓ نے کہا جو پڑھ رہے تھے مجھے سناؤ۔ ان کی بہن نے کہا: آپ اس کی بے ادبی کریں گے اس لیے خواہ ہمیں جان سے مار دیں ہم نہیں سنائیں گے۔ انہوں نے کہا: نہیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ بے ادبی نہیں کروں گا۔'' یعنی قرآن کریم کی بے ادبی نہیں کروں گا۔ ''اس پر انہوں نے قرآن کریم سنایا جسے سن کر حضرت عمرؓ رو پڑے اور دوڑے دوڑے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے۔ تلوار ہاتھ میں ہی تھی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر کہا۔ عمر یہ بات کب تک رہے گی؟ یہ سن کر وہ رو پڑے اور کہا میں نکلا تو آپؐ کے مارنے کے لیے تھا لیکن خود شکار ہو گیا ہوں۔''

تو یہ خلاصہ ہے اس سارے لمبے واقعہ کا جو پہلے بیان ہو چکا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں ''تو پہلے یہ حالت تھی جس سے انہوں نے ترقی کی۔ پھر یہی صحابہ تھے جو پہلے شراب پیا کرتے تھے۔ آپس میں لڑا کرتے تھے'' اَور صحابہ کا بھی ذکر ہے۔ ''اَور کئی قسم کی کمزوریاں ان میں پائی جاتی تھیں لیکن جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول کیا اور دین کے لئے ہمت اور کوشش سے کام لیا تو نہ صرف خود ہی اعلیٰ درجے پر پہنچ گئے بلکہ دوسروں کو بھی اعلیٰ مقام پر پہنچانے کا باعث ہو گئے۔ وہ پیدا ہی صحابی نہیں ہوئے تھے بلکہ اسی طرح کے تھے جس طرح کے اَور تھے مگر انہوں نے عمل کیا اور ہمت دکھائی تو صحابی ہو گئے۔ آج بھی اگر ہم ایسا ہی کریں تو صحابی بن سکتے ہیں۔''

(عورتوں کا دین سے واقف ہونا ضروری ہے۔ انوار العلوم جلد 4 صفحہ 38-39)

حضرت عمرؓ کی خشیت الٰہی

کی کیا حالت تھی؟ اس بارے میں روایت ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بھی ضائع ہو کر مر گئی تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے قیامت کے دن اس کے بارے میں سوال کرے گا۔

(سیرت عمر بن خطاب از ابن الجوزی صفحہ 140 المطبعة المصرية الازهر)

ایک روایت میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی اونٹ بھی ضائع ہو کر مر گیا تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے اس کے بارے میں سوال کرے گا۔

(الطبقات الکبریٰ جلد 3 صفحہ 232 دارالکتب العلمیة 1990)

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں عمر بن خطابؓ کے ساتھ باہر گیا یہاں تک کہ آپؓ ایک باغ میں داخل ہوئے۔ میرے اور آپؓ کے درمیان ایک دیوار حائل تھی۔ آپؓ باغ کے اندر تھے۔ میں نے اس وقت آپؓ کو یہ کہتے سنا۔ واہ واہ اے خطاب کے بیٹے عمر! تُو امیر المومنین ہے۔ اللہ کی قسم تو ضرور اللہ سے ڈر ورنہ وہ ضرور تجھے عذاب دے گا۔

(مؤطا امام مالک کتاب الکلام و العینة والتقی باب ما جاء فی التقیٰ۔ صفحہ ۶۰۱ روایت نمبر ۱۸۶۷ مکتبہ دارالفکر بیروت)

حضرت عمرؓ کی انگوٹھی پر یہ جملہ کندہ تھا کہ کَفٰی بِالْمَوْتِ وَاعِظًا یَا عُمَرُ۔ کہ اے عمر! واعظ ہونے کے لحاظ سے موت کافی ہے۔

(الاستیعاب فی معرفة الاصحاب جلد ۳ صفحہ ۲۳۶ باب حرف العین ''عمر بن الخطاب'' مطبوعہ دارالکتب العلمیة بیروت ۲۰۰۲ء)

یعنی اگر انسان موت کو یاد رکھے تو وہی نصیحت کرنے والی ایک چیز ہے اور اپنی حالت کو ٹھیک رکھنے کے لیے یہی چیز کافی ہے۔

عبداللہ بن شدّاد کہتے تھے کہ میں نے حضرت عمرؓ کی ہچکیاں سنیں اور میں آخری صف میں تھا۔ آپ یہ تلاوت کر رہے تھے۔ اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ (یوسف:87) یعنی میں تو اپنے رنج و اَلم کی صرف اللہ کے حضور فریاد کرتا ہوں۔

(صحیح البخاری کتاب الاذان باب اِذَا بَکَی الْاِمَامُ فِی الصَّلٰوۃِ)

اس روایت کو ایک خطبہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے بھی بیان فرمایا تھا اور اس کی کچھ تفصیل اپنے الفاظ میں بھی اس طرح بیان کی تھی کہ حضرت عبداللہ بن شدّاد کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ نماز پڑھا رہے تھے اور میں آخری صف میں تھا لیکن حضرت عمرؓ کی گریہ وزاری کی آواز سن رہا تھا۔ وہ یہ تلاوت کر رہے تھے۔ اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ (یوسف:87) کہ میں تو اپنے اللہ ہی کے سامنے اپنے سارے دکھ رویا کروں گا۔ کسی اَور کے سامنے مجھے ضرورت نہیں ہے۔ پس جو ذکرِ الٰہی میں گم رہتے ہیں ان کو خدا کے سوا کسی اَور کا دربار ملتا ہی نہیں جہاں وہ اپنے غم اور دکھ روئیں اور اپنے سینوں کے بوجھ ہلکے کریں۔ یہ روایت کرنے والے کہتے ہیں کہ پچھلی صف میں تھا وہاں تک مجھے حضرت عمرؓ کے سینے کے گڑگڑانے کی آواز آ رہی تھی۔

(ماخوذ از خطبات طاہر جلد 13 صفحہ 248-249)

حضرت عمرؓ پرانے خدمت کرنے والوں اور قربانی کرنے والوں کا کس طرح خیال رکھا کرتے تھے۔

اس بارے میں روایت ہے۔ ثَعْلَبہ بن ابو مالک کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اہلِ مدینہ کی عورتوں میں سے بعض کو اوڑھنیاں تقسیم کیں۔ کوئی اچھی قسم کی اوڑھنیاں آئی تھیں ان میں سے ایک اچھی اوڑھنی بچ گئی۔ جو لوگ ان کے پاس تھے ان میں سے کسی نے ان سے کہا کہ اے امیر المومنین! آپؓ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیٹی کو دیں جو آپؓ کے پاس ہے۔ اس کی مراد حضرت علیؓ کی بیٹی حضرت ام کلثومؓ تھیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اُمِّ سَلِیط اس کی زیادہ حق دار ہیں۔ کہا نہیں، ام سلیط اس کی زیادہ حق دار ہیں اور حضرت عمرؓ نے فرمایا

کہ حضرت ام سلیط ان انصاری عورتوں میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تھی۔حضرت عمرؓ نے کہا وہ جنگِ احد کے دن ہمارے لیے مشکیں اٹھا کر لاتی تھیں۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب ذکر ام سلیط حدیث ۴۰۷۱)

پھر

قربانی کرنے والوں کے قریبیوں کو بھی نوازنے کا ذکر

ایک روایت میں ملتا ہے۔ زید بن اسلم نے اپنے باپ سے روایت کی۔ کہتے تھے کہ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ بازار گیا۔حضرت عمرؓ سے ایک جوان عورت پیچھے سے آملی اور کہنے لگی اے امیرالمومنین! میرا خاوند فوت ہوگیا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گیا ہے۔ اللہ کی قسم! بکری کے پائے بھی انہیں نصیب نہیں۔ نہ ان کی کوئی کھیتی ہے اور نہ دودھیل جانور یعنی دودھ دینے والے جانور اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں ان کو قحط سالی نہ کھا جائے اور میں خُفَاف بن اِیْمَاء غِفَاری کی بیٹی ہوں اور میرے والد حدیبیہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھے۔حضرت عمرؓ یہ سن کر ٹھہر گئے اور آگے نہیں چلے۔حضرت عمرؓ نے کہا واہ واہ! بہت نزدیک کا تعلق ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے واپس جاکر ایک مضبوط اونٹ لیا جو گھر میں بندھا تھا اور دو بوریاں اناج سے بھریں اور ان پر لادیں اور ان کے درمیان سال بھر کے خرچ کے لیے مال اور کپڑے بھی رکھے۔ پھر اس اونٹ کی نکیل اس عورت کے ہاتھ میں دے دی اور کہا اسے لے جاؤ۔ یہ ختم نہیں ہوگا کہ اللہ تمہیں اَور دے گا۔ ایک شخص کہنے لگا کہ امیرالمومنین! آپؓ نے اس کو بہت دے دیا ہے۔حضرت عمرؓ نے کہا: تیری ماں تجھے کھوئے یعنی ناراضگی کا اظہار کیا کہ اللہ کی قسم! میں تو اس کے باپ اور اس کے بھائی کو اب بھی دیکھ رہا ہوں کہ انہوں نے عرصے تک ایک قلعہ کا محاصرہ کیے رکھا جسے انہوں نے آخر فتح کرلیا۔ پھر اس کے بعد صبح کے وقت ہم ان دونوں کے حصے اپنے درمیان تقسیم کرنے لگے یعنی وہ قلعہ ان دونوں نے فتح کیا تھا جس کی غنیمت کُل مسلمانوں کو ملی۔ گویا ہم نے ان کے حصہ میں سے بانٹا۔(صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوة الحدیبیہ حدیث ۴۱۶۰، ۴۱۶۱)پس یہ وجہ ہے کہ یہ اس کی حق دار بنتی ہے کہ اسے کچھ دیا جائے۔

بوڑھی اور معذور اور ضرورت مند عورتوں اور لوگوں کا کس طرح خیال رکھا کرتے تھے

اس بارے میں روایت ہے۔حضرت طلحہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ رات کی تاریکی میں گھر سے نکلے تو حضرت طلحہؓ نے دیکھ لیا۔حضرت عمرؓ ایک گھر میں داخل ہوئے۔ پھر دوسرے گھر میں داخل ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت طلحہؓ ان گھروں میں سے ایک گھر میں گئے، وہاں ایک نابینا بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔حضرت طلحہؓ نے اس سے پوچھا جو شخص تیرے پاس رات کو آتا ہے وہ کیا کرتا ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا: وہ کافی عرصہ سے میری خدمت کر رہا ہے اور میرے کام کاج کو ٹھیک کرتا ہے اور میری گندگی دور کرتا ہے۔ یہ سن کر حضرت طلحہؓ نے ندامت سے اپنے آپ کو کہا اے طلحہ! تیری ماں تجھے کھوئے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ تُو عمرؓ کی لغزشوں کی کھوج میں ہے اور یہاں تو معاملہ ہی کچھ اَور ہے۔(سیرت عمر بن خطاب از ابن الجوزی صفحہ ۵۸ المطبعة المصریة الازھر) رعایا کی خدمت کے یہ عظیم معیار تھے جو حضرت عمرؓ نے قائم فرمائے۔

حضرت عمرؓ کی لوگوں، ضرورت مندوں، عورتوں، بچوں کی ضروریات پوری کرنے کی بہت سی روایات ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتے ہوئے آپؓ پوری کیا کرتے تھے اور کس طرح بے چین ہوجایا کرتے تھے۔ آپؓ جب دیکھتے تھے کہ کسی کی ضرورت پوری نہیں ہوئی اور وہ آپؓ کی رعایا میں ہے تو بہت بے چین ہوتے تھے۔ بعض مثالیں میں گذشتہ ہفتوں کے جمعوں میں مختلف حوالوں سے پیش کر چکا ہوں مثلاً کس طرح ایک موقع پر آپ نے جب رات کو ایک عورت سے اس کے بچے کے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ کیونکہ عمرؓ نے دودھ پیتے بچوں کا راشن مقرر نہیں کیا اس لیے میں بچے کو غذا کھانے کی عادت ڈالنے کے لیے دودھ نہیں دے رہی اور یہ بھوک سے رو رہا ہے۔ یہ بات سن کر حضرت عمرؓ بے چین ہو گئے اور فوراً کھانے پینے کے سامان کا انتظام کیا اور پھر اعلان کیا کہ آئندہ سے ہر پیدا ہونے والے بچے کو بھی راشن ملا کرے گا۔

(ماخوذ از البدایة والنهایة لابن کثیر الجزء العاشر صفحہ 185 - 186 مطبوعہ دار ہجر 1997ء)

اسی طرح ایک موقع پر ایک مسافر خاتون جس کے پاس کھانے کو کچھ نہیں تھا اور رات کو اسے ڈیرہ ڈالنا پڑا اور بچے بھوک سے رو رہے تھے۔ آپؓ کو جب رات کو اس کا علم ہوا تو فوراً سٹور سے کھانے پینے کا سامان اٹھا کر اس تک پہنچایا اور بے چین ہو گئے اور اس وقت تک آپ کو چین نہیں آیا جب تک کہ کھانا پکا کر ان بچوں کو کھلا کر انہیں ہنستا نہ دیکھ لیا پھر آپؓ اس جگہ سے واپس ہوئے۔

(ماخوذ از تاریخ الطبری لابن جریر الجزء ۵ صفحہ ۶۲ ثم دخلت سنة ثلاث عشرین / ذکر بعض سیرہ...مطبوعہ دارالفکر بیروت ۱۹۹۸ء)

حضرت مصلح موعودؓ نے بیان کیا کہ ’’حضرت عمرؓ کو دیکھ لو ان کے رعب اور دبدبہ سے ایک طرف دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ کانپتے تھے۔ قیصر و کسریٰ کی حکومتیں تک لرزہ براندام رہتی تھیں مگر دوسری طرف اندھیری رات میں ایک بدوی عورت کے بچوں کو بھوکا دیکھ کر عمرؓ جیسا عظیم المرتبت انسان تلملا اٹھا اور وہ اپنی پیٹھ پر آٹے کی بوری لاد کر اور گھی کا ڈبہ اپنے ہاتھ میں اٹھا کر ان کے پاس پہنچا اور اس وقت تک واپس نہیں لوٹا جب تک کہ اس نے اپنے ہاتھ سے کھانا پکا کر ان بچوں کو نہ کھلا لیا اور وہ اطمینان سے سو نہ گئے۔‘‘

(سیر روحانی (6)، انوار العلوم جلد 22 صفحہ 596)

پھر ایک واقعہ حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔حضرت عمرؓ جب شام سے مدینہ لَوٹ کر آئے تو لوگوں سے الگ ہو گئے تا کہ ان کے احوال معلوم کریں۔یعنی اس قافلے سے الگ ہو گئے اور ایک طرف چلے گئے تا کہ لوگوں کے احوال معلوم کریں تو آپؓ کا گزر ایک بڑھیا کے پاس سے ہوا جو اپنے خیمے میں تھی۔ آپؓ اس سے پوچھ گچھ کرنے لگے تو اس نے کہا اے شخص عمرؓ نے کیا کیا؟ آپؓ نے کہا کہ وہ ادھر ہی تو ہے اور شام سے آ گیا ہے تو اس عورت نے کہا کہ خدا اس کو میری طرف سے جزائے خیر نہ دے۔ آپؓ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے! کیوں؟ یعنی تم ایسا کیوں کہتی ہو؟ اس نے کہا کہ جب سے وہ خلیفہ ہوا ہے آج تک مجھے اس کا کوئی عطیہ نہیں ملا۔ نہ کوئی دینار نہ درہم۔حضرت عمرؓ نے فرمایا: تجھ پر افسوس اور عمر کو تیرے حال کی خبر کیسے ہوسکتی ہے؟ اس بڑھیا کو نہیں پتہ تھا کہ حضرت عمرؓ ہیں، جبکہ تُو ایسی جگہ بیٹھی ہوئی ہے، دُور دراز علاقے میں جنگل کے قریب بیٹھی ہوئی ہے تو اس نے کہا سبحان اللہ! عورت کہنے لگی سبحان اللہ! میں گمان نہیں کرتی کہ کوئی لوگوں پر والی بن جائے اور اس کو یہ خبر نہ ہو کہ اس کے آگے مشرق و مغرب میں کیا ہے۔ تو عمرؓ روتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئے اور یہ کہہ رہے تھے کہ ہائے عمر ہائے! کتنے دعویدار ہوں گے۔ ہر ایک تجھ سے زیادہ دین کی سمجھ رکھنے والا ہے اے عمر۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا کہ تُو اپنی مظلومیت کے حق کو اس کے ہاتھ کتنے میں بیچتی ہے کہ میں اس کو جہنم سے بچانا چاہتا ہوں۔یعنی یہ کہا کہ حضرت عمرؓ کو جہنم سے بچانا چاہتا ہوں۔ تُو بتا کہ اپنی مظلومیت کے حق کو کتنے میں بیچتی ہو۔ اس عورت نے کہا کہ ہم سے مذاق نہ کر۔ خدا تجھ پر رحمت کرے۔ تو حضرت عمرؓ نے اس سے فرمایا یہ مذاق نہیں ہے۔حضرت عمرؓ اس سے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس کے حق مظلومیت کو پچیس دینار میں خرید لیا۔ ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود آ پہنچے اور ان دونوں نے کہا: اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ اس پر عورت نے اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھا اور کہنے لگی کہ اللہ بھلا کرے۔ میں نے امیر المومنین کو ان کے سامنے برا بھلا کہہ دیا۔ تو امیر المومنین نے اس سے فرمایا: تجھ پر کوئی جرم نہیں۔ خدا تجھ پر رحم کرے۔ پھر حضرت عمرؓ نے ایک چمڑے کا ٹکڑا مانگا کہ اس پر لکھیں مگر نہ ملا۔ پھر اپنی چادر میں سے جس کو اوڑھا ہوا تھا ایک ٹکڑا کاٹا اور لکھا۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ یہ اس کی دستاویز ہے جو عمر نے فلاں عورت سے آج کے دن تک اس کا حقِ مظلومیت پچیس دینار میں خریدا ہے جب سے وہ والی بنا ہے۔ اگر وہ اب اللہ کے سامنے محشر میں کھڑی ہو کر دعویٰ کرے تو عمر اس سے بری ہے۔ علی بن ابی طالب اور عبداللہ بن مسعود اس پر گواہ ہیں۔ پھر وہ تحریر حضرت علیؓ کو دے دی اور فرمایا کہ اگر میں تم سے پہلے دنیا سے گزر جاؤں تو اس کو میرے کفن میں رکھ دینا۔

(ماخوذ از ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء مترجم جلد 3 صفحہ 276 تا 278 مناقب فاروق اعظم مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اولاد کا رشتہ دیکھنے کے لیے

لوگ کیا معیار رکھتے ہیں۔ آج کل بھی ہم دیکھتے ہیں بڑے بڑے اونچے معیار ہوتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا کیا معیار تھا؟

اس بارے میں ایک روایت ہے، حضرت اسلمؓ سے مروی ہے جو حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ تھے کہ بعض راتوں میں سے ایک رات میں مَیں امیرالمومنین کے ساتھ مدینہ کی اطراف میں پھر رہا تھا۔ آپؓ نے ایک گھڑی کے لیے یعنی کچھ وقت کے لیے استراحت کی غرض سے ایک دیوار کی جانب سہارا لیا۔ گھر کی دیوار تھی اس کے سہارے بیٹھ گئے تو آپؓ نے سنا کہ گھر کے اندر ایک بڑھیا اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی کہ اٹھ اور دودھ میں پانی ملا دے۔ لڑکی نے کہا آپ نہیں جانتیں کہ امیرالمومنین کے منادی نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔ ماں نے کہا: نہ اس وقت امیرالمومنین موجود ہے اور نہ اس کا منادی۔ لڑکی نے کہا کہ خدا کی قسم! یہ بات تو ہمارے لیے مناسب نہیں ہے کہ سامنے تو ہم ان کی اطاعت کریں اور خلوت میں نافرمانی کرنے لگیں۔حضرت عمرؓ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اپنے ساتھی سے فرمایا کہ اے اسلم! اس مکان پر نشان لگا دو۔ اس کے دروازے پہ ایک نشان لگا دو۔ دوسرے دن آپ نے کسی کو بھیجا اور اس لڑکی کا رشتہ اپنے بیٹے عاصم سے کر دیا۔ اس کی اسی سچائی پر، نیکی کو دیکھتے ہوئے اپنے بیٹے کا رشتہ اس لڑکی سے کر دیا۔ اس سے عاصم کی ایک لڑکی پیدا ہوئی حضرت عمر بن عبدالعزیز اسی لڑکی کی اولاد میں سے تھے۔

(ماخوذ از ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء مترجم جلد 3 صفحہ 281-282 مناقب فاروق اعظمؓ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ایک روایت میں ہے کہ سَلَمہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ مَیں بازار سے گزر رہا تھا کہ حضرت عمرؓ بھی اپنے کسی کام سے گزر رہے تھے۔ آپؓ کے ہاتھ میں کوڑا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے سَلَمہ! اس طرح رستہ سے ہٹ کر چلا کرو۔ پھر مجھے ہلکا سا کوڑا مارا لیکن کوڑا میرے کپڑے کے کنارے پر لگا۔ پس میں رستے سے ہٹ گیا اور آپؓ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ اس بات کو سال گزر گیا۔ پھر حضرت عمرؓ سے میری بازار میں ملاقات ہوئی۔ آپؓ نے فرمایا اے سَلَمہ! کیا اس سال حج کو جانے کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا ہاں اے امیرالمومنین۔ پھر آپؓ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے گھر لے گئے اور ایک تھیلے میں سے چھ سو درہم مجھے دیے اور فرمانے لگے اے سَلَمہ! اس کو اپنی ضروریات میں استعمال کرلو اور یہ اس کا بدلہ ہے جو ایک سال پہلے مَیں نے تمہیں کوڑا مارا تھا۔ سَلَمہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم! امیرالمومنین! میں یہ بات بالکل بھول چکا تھا اور آج آپؓ نے یاد کروائی ہے۔

(سیرت عمر بن خطاب از ابن الجوزی صفحہ ۹۸ المطبعة المصریة الازہر)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ بھی دیکھا کرتے تھے کہ

بازار کی قیمتیں ایسی ہوں جن سے کسی بھی فریق کے شہری حقوق متاثر نہ ہوں۔

چنانچہ اسی بات کو بیان فرماتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے بیان کیا کہ ''شہری حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ لین دین کے معاملات میں خرابی نہ ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے اس حق کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ چنانچہ اسلام نے بھاؤ کو بڑھانے اور مہنگا سودا کرنے سے روکا ہے۔ اسی طرح دوسروں کو نقصان پہنچانے اور ان کو تجارت میں فیل کرنے کے لئے بھاؤ کو گرا دینے سے بھی منع فرمایا ہے۔'' جس طرح آجکل کی مارکیٹ میں یہ چلتا ہے۔ ''ایک دفعہ مدینہ میں ایک شخص ایسے ریٹ پر انگور بیچ رہا تھا جس ریٹ پر دوسرے دکاندار نہیں بیچ سکتے۔ حضرت عمرؓ پاس سے گزرے تو انہوں نے اس شخص کو ڈانٹا کیونکہ اس طرح باقی دکانداروں کو نقصان پہنچتا تھا۔ غرض اسلام نے سودا مہنگا کرنے سے بھی روک دیا اور بھاؤ کو گرا دینے سے بھی روک دیا تا کہ نہ دکانداروں کو نقصان ہو اور نہ پبلک کو نقصان ہو۔''

(تفسیر کبیر جلد 10 صفحہ 307)

عامر بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میری ایک بیٹی تھی جس کو جاہلیت میں زندہ درگور کر دیا گیا لیکن میں نے اسے مرنے سے پہلے نکال لیا۔ جب وہ اسلام لے آئی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد لگ گئی۔ غلط کام ہوا اس کی وجہ سے حد لگ گئی تو اس نے ایک چھری لی تا کہ اس سے اپنے آپ کو قتل کر دے۔ میں نے اسے پکڑ لیا جبکہ اس نے اپنی بعض رگوں کو کاٹ لیا تھا۔ پھر میں نے اس کا علاج کیا یہاں تک کہ وہ ٹھیک ہوگئی۔ پھر اس نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اچھی توبہ کی۔ اے امیرالمومنین! اب مجھے اس کے لیے نکاح کے پیغامات آ رہے ہیں۔ لڑکی کے رشتے آ رہے ہیں۔ کیا میں اس کے پہلے معاملے کے بارے میں بتایا کروں کہ کیا زندگی تھی، اس کی پہلی زندگی کیا تھی، اس کے ساتھ کیا کچھ ہوتا رہا اور کیا اس نے اپنے ساتھ کیا؟ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے کہا کہ

اللہ تعالیٰ نے اس کے عیب پر پردہ ڈالا ہے اور تُو اس کو ظاہر کرے گا!

اللہ کی قسم! اگر تو نے اس کے معاملے کے بارے میں کسی کو بھی بتایا تو میں تجھے پورے شہر والوں کے سامنے عبرت کا نشان بناؤں گا بلکہ اس کا نکاح ایک پاکدامن مسلمان عورت کی طرح کر دو۔ (تفسیر الطبری جزء ۶۔ سورۃ المائدہ صفحہ ۱۲۷۔ دار احیاء التراث العربی الطبعة الاولیٰ ۲۰۰۱) بھول جاؤ باتوں کو۔

طاعون عَمَوَاسؔ اور حضرت عمرؓ کی لوگوں کی جانوں کے بارے میں فکر

کیا تھی؟ اس بارے میں آتا ہے کہ رملہ سے بیت المقدس کے راستے میں چھ میل کے فاصلے پر ایک وادی ہے جس کا نام عمواس ہے۔ کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ یہاں سے مرض طاعون کا آغاز ہوا اور ارضِ شام میں پھیل گیا۔ اس لیے اسے طاعون عمواس کہا جاتا ہے۔ اس مرض سے شام میں لاتعداد اموات ہوئیں۔ بعض کے نزدیک اس سے پچیس ہزار کے قریب اموات ہوئیں۔ سترہ ہجری کو حضرت عمرؓ مدینہ سے شام کے لیے روانہ ہوئے اور سَرْغ مقام پر پہنچ کر سپہ سالارانِ لشکر سے ملاقات کی۔ سَرْغ بھی شام اور حجاز کے سرحدی علاقے میں وادیٔ تبوک کی ایک بستی کا نام ہے۔ اور آپؓ کو اس بات کی اطلاع دی گئی کہ زمینِ عمواس میں بیماری پھیلی ہوئی ہے تو آپؓ مشورے کے بعد واپس لوٹ آئے۔ اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک روایت میں یوں مذکور ہے۔ یہ پہلے بھی ایک دفعہ ایک اور حوالے سے اس واقعہ کا کچھ بیان ہو چکا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ

جب حضرت عمرؓ سَرْغ مقام پر پہنچے تو آپؓ کی ملاقات فوجوں کے امراء حضرت ابوعبیدہؓ اور ان کے ساتھیوں سے ہوئی۔ ان لوگوں نے حضرت عمرؓ کو بتایا کہ شام کے ملک میں طاعون کی وبا پھوٹ پڑی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے پاس مشورہ کے لیے اولین مہاجرین کو بلایا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے مشورہ کیا مگر مہاجرین میں اختلاف رائے ہوگئی۔ بعض کا کہنا تھا کہ یہاں سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے جبکہ بعض نے کہا کہ اس لشکر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ شامل ہیں اور ان کو اس وبا میں ڈالنا مناسب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے مہاجرین کو بھجوا دیا اور انصار کو بلایا، ان سے مشورہ لیا گیا مگر انصار کی رائے میں بھی مہاجرین کی طرح اختلاف ہو گیا۔ حضرت عمرؓ نے انصار کو بھجوایا اور پھر فرمایا قریش کے بوڑھے لوگوں کو بلاؤ جو فتح مکہ کے وقت اسلام قبول کر کے مدینہ آئے تھے۔ ان کو بلایا گیا انہوں نے یک زبان ہو کر مشورہ دیا کہ ان لوگوں کو ساتھ لے کر واپس لوٹ چلیں اور وبائی علاقے میں لوگوں کو نہ لے کر جائیں۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں میں واپسی کا اعلان کر دیا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اس موقع پر سوال کیا۔ کیا اللہ کی تقدیر سے فرار ممکن ہے؟ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ سے فرمایا۔ اے ابوعبیدہ! کاش تمہارے علاوہ کسی اَور نے یہ بات کہی ہوتی۔ ہاں

ہم اللہ کی تقدیر سے فرار ہوتے ہوئے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف جاتے ہیں۔

اگر تمہارے پاس اونٹ ہوں اور تم ان کو لے کر ایسی وادی میں اترو جس کے دو کنارے ہوں۔ ایک سرسبز اور دوسرا خشک تو کیا ایسا نہیں کہ اگر تم اپنے اونٹوں کو سرسبز جگہ پر چراؤ تو وہ اللہ کی تقدیر سے ہے اور اگر تم ان کو خشک جگہ پر چراؤ تو وہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہی ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بھی آ گئے جو پہلے اپنی کسی مصروفیت کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرے پاس اس مسئلے کا علم ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم کسی جگہ کے بارے میں سنو کہ وہاں کوئی وبا پھوٹ پڑی ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر کوئی مرض کسی ایسی جگہ پر پھوٹ پڑے جہاں تم رہتے ہو تو وہاں سے فرار ہوتے ہوئے باہر مت نکلو۔ اس پر حضرت عمرؓ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور واپس لوٹ گئے۔

(صحیح البخاری کتاب الطب باب ما یُذکر فی الطاعون حدیث نمبر ۵۷۲۹)

(الطبقات الکبریٰ جلد ۳ صفحہ ۲۱۴-۲۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت ۱۹۹۰ء)

(معجم البلدان جلد ۴ صفحہ ۱۷۷-۱۷۸، جلد ۳ صفحہ ۲۳۹ دار الکتب العلمیة بیروت)

حضرت عمرؓ مدینہ سے آئے تھے اور ابھی وبا والی جگہ پر نہیں پہنچے تھے اس لیے اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس آ گئے لیکن حضرت ابوعبیدہؓ چونکہ فوجیوں کے سپہ سالار تھے اور پہلے سے ہی وبا والے علاقے میں مقیم تھے اس لیے آپؓ اور مسلمان فوجیں طاعون زدہ علاقے میں ہی رہیں۔ جو جہاں تھے وہ وہیں رہے۔ مدینہ پہنچ کر

حضرت عمرؓ نے شام کے مسلمانوں کے متعلق سوچنا شروع کیا کہ انہیں طاعون کی تباہ کاریوں سے کیسے بچایا جائے۔

خاص طور پر حضرت عمرؓ کو حضرت ابوعبیدہؓ کا بہت خیال تھا۔ ایک دن حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو خط بھیجا کہ مجھے تم سے ایک ضروری کام ہے اس لیے جب تمہیں یہ خط پہنچے تو فوراً مدینہ کے لیے روانہ ہو جانا۔ اگر خط رات کو پہنچے تو صبح ہونے کا انتظار نہ کرنا اور اگر خط صبح پہنچے تو رات ہونے کا انتظار نہ کرنا۔ یہ محبت تھی آپ کی حضرت ابوعبیدہؓ سے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے جب وہ خط پڑھا تو کہنے لگے مَیں امیرالمومنین کی ضرورت کو جانتا ہوں۔ اللہ حضرت عمرؓ پر رحم کرے وہ اسے باقی رکھنا چاہتے ہیں جو باقی رہنے والا نہیں ہے۔ یعنی یہ تو اللہ جانتا ہے کہ میرے ساتھ کیا ہونا ہے، ابوعبیدہؓ نے یہ سوچا۔ پھر اس خط کا جواب دیا کہ یا امیرالمومنین! میں آپؓ کی منشا کو سمجھ گیا ہوں مجھے نہ بلائیے۔ یہیں رہنے دیجیے۔ میں مسلمان سپاہیوں میں سے ایک ہوں۔ جو مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا۔ میں ان سے کیسے منہ موڑ سکتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے جب وہ خط پڑھا تو رو پڑے۔ حاضرین نے پوچھا کہ یا امیرالمومنین! کیا حضرت ابوعبیدہؓ فوت ہو گئے۔ آپؓ نے فرمایا نہیں لیکن شاید ہو جائیں۔

(سیر اعلام النبلاء جلد 1 صفحہ 18-19، ابوعبیدہ بن الجراح، الرسالة العالمیة دمشق 2014ء)

حضرت عمرؓ نے اہل الرائے اصحاب کے مشورے کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ کو لکھا کہ تم لوگوں کو نشیب میں لے کر اترے ہو اس لیے کسی بلند اور پُرفضا مقام پر چلے جاؤ۔ نیچی جگہ کی بجائے ذرا اونچی جگہ، پہاڑی جگہ پر چلے جاؤ جہاں ذرا ہوا بھی صاف ہو۔ حضرت ابوعبیدہؓ ابھی اس حکم کی تعمیل کے متعلق فکر کر رہے تھے کہ طاعون نے ان پر وار کیا اور وہ فوت ہو گئے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے جانشین حضرت معاذ بن جبلؓ کو نامزد کیا تھا لیکن وہ بھی طاعون میں مبتلا ہو گئے اور ان کا انتقال ہو گیا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے اپنا قائمقام حضرت عمرو بن عاصؓ کو بنایا تھا۔ آپؓ نے ایک تقریر کی اور فرمایا: یہ وبا جب پھوٹتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی ہے۔ پہاڑوں میں چھپ کر اپنی جانیں بچاؤ۔ آپؓ لوگوں کو لے کر وہاں سے نکلے اور پہاڑوں میں چلے گئے یہاں تک کہ وبا کا زور ٹوٹ گیا اور

گھٹتے گھٹتے بالکل ختم ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کو حضرت عمرو بن عاصؓ کی اس تقریر کا علم ہوا تو نہ صرف یہ کہ آپؓ نے اسے پسند فرمایا بلکہ اسے اپنے اس حکم کی تعمیل قرار دیا جو آپ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو بھیجا تھا۔

(ماخوذ از سیدنا حضرت عمر فاروق اعظمؓ از محمد حسین ہیکل۔ مترجم صفحہ 413۔ اسلامی کتب خانہ لاہور)

حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کے علاوہ حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت یزید بن ابوسفیانؓ، حضرت حارث بن ہشامؓ اور حضرت سہیل بن عمروؓ اور حضرت عتبہ بن سہیلؓ اور ان کے علاوہ بھی دیگر معززین اس وبا سے فوت ہوئے تھے۔

(تاریخ الطبری جلد ۲ صفحہ ۴۸۷ سنۃ ۱۸ھ، دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۱۲ء)

طاعون عمواس سے واپس آنے کا ذکر ایک جگہ پر حضرت مصلح موعودؓ نے بھی بیان فرمایا ہے۔ آپ بیان فرماتے ہیں کہ ”جب شام میں جنگ ہوئی اور وہاں طاعون پڑی حضرت عمرؓ وہاں خود تشریف لے گئے تا کہ لوگوں کے مشورہ سے فوج کی حفاظت کا کوئی معقول انتظام کیا جاسکے مگر جب بیماری کا حملہ تیز ہو گیا تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپؓ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں، آپؓ واپس مدینہ تشریف لے جائیں۔ جب آپؓ نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا أَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ؟ کیا اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے آپؓ بھاگتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے فوراً جواب دیا۔ نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ اِلٰی قَدَرِ اللّٰہِ۔ ہاں ہم خدا تعالیٰ کی ایک تقدیر سے اس کی دوسری تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں۔ غرض دنیاوی سامانوں کو ترک کرنا جائز نہیں۔ ہاں دنیاوی سامانوں کو دین کے تابع رکھنا چاہیے۔“

(اللہ تعالیٰ سے سچا اور حقیقی تعلق قائم کرنے میں ہی ہماری کامیابی ہے۔ انوار العلوم جلد 21 صفحہ 104)

حضرت عمرؓ کی قبولیتِ دعا کے چند واقعات

ہیں۔ حضرت خوّات بن جُبیرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں لوگ سخت قحط میں مبتلا ہوئے تو حضرت عمرؓ لوگوں کے ساتھ نکلے اور ان کو دو رکعت نماز استسقاء پڑھائی۔ پھر اپنی چادر اپنے دونوں کندھوں پر ڈالی اور چادر کے دائیں طرف کو بائیں کندھے پر ڈالا اور بائیں طرف والی چادر کو دائیں کندھے پر ڈالا یعنی لپیٹ لی۔ پھر اپنے ہاتھ کو دعا کے لیے اٹھایا اور عرض کیا: اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَغْفِرُکَ وَنَسْتَسْقِیْکَ کہ اے اللہ عزوجل! بےشک ہم تجھ سے بخشش طلب کرتے ہیں اور بارش کے خواستگار ہیں۔ ابھی آپ دعا مانگ کر اپنی جگہ سے پیچھے نہیں ہوئے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ ہمارے جو دیہاتی لوگ تھے وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے اور عرض کیا ”اے امیر المومنین فلاں دن فلاں وقت ہم اپنے صحرائی مسکن میں تھے کہ بادلوں نے ہم پر سایہ کیا اور ہم نے اس میں سے ایک آواز سنی کہ اے ابوحفص! بارش کے ذریعہ مدد تمہارے پاس آئی۔ اے ابوحفص! بارش کے ذریعہ مدد تمہارے پاس آئی۔

(کنز العمال المجلد ۴ الجزء ۸ حدیث ۲۳۵۳۳ کتاب الصلوٰۃ الباب السابع باب صلاۃ الاستسقاء دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۰۴ء)

آپؓ کی ایک

دعا کی قبولیت کا واقعہ دریائے نیل کے جاری ہونے کے بارے میں

بیان کیا جاتا ہے۔ دریائے نیل جب خشک ہوتا تھا تو اسلام سے پہلے وہاں کے لوگوں میں اسے جاری رکھنے کی ایک رسم تھی اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ واقعی اس رسم کا کوئی اثر ہوتا تھا یا نہیں لیکن اسلام نے آ کر اس رسم کا خاتمہ کر دیا اور اس رسم کے خاتمے کے بارے میں جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ یوں ہے کہ قَیس بن حَجّاج سے روایت ہے کہ جب مصر فتح ہوا تو وہاں کے باشندے عجمی مہینوں کے کسی دن حضرت عَمرو بن عاصؓ کے پاس آئے تو لوگوں نے کہا اے امیر! ہمارے دریائے نیل کے لیے ایک رسم ہے جس کے بغیر یہ بہتا نہیں ہے۔ حضرت عمروؓ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ جب گیارہ راتیں اس مہینے کی گزر جائیں تو ہم ایک کنواری لڑکی کے پاس اس کے والدین کی موجودگی میں جاتے ہیں۔ پھر اس کے والدین کو رضامند کرتے ہیں اور اس کو بہترین کپڑے اور زیورات پہناتے ہیں۔ پھر اس کو دریائے نیل میں ڈال دیتے ہیں۔ یعنی شروع میں ڈال دیتے تھے۔ حضرت عمروؓ نے ان سے کہا کہ اسلام میں ایسا کبھی نہیں ہو گا۔

یقیناً اسلام ان تمام رسموں کو ختم کرتا ہے جو اس سے پہلے تھیں۔

پس وہ ٹھہرے رہے اور آخر جب ایسا وقت آ گیا کہ دریائے نیل بھی خشک ہو گیا۔ دریائے نیل اس وقت بالکل نہیں بہہ رہا تھا یہاں تک کہ لوگوں نے وطن سے نکلنے کا ارادہ کر لیا۔ لوگوں نے وہاں سے جانے کا، جگہ کو چھوڑنے کا ارادہ کر لیا۔ پس جب حضرت عمروؓ نے یہ دیکھا تو حضرت عمر بن خطابؓ کو اس کے بارے میں لکھا۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو جواباً لکھا کہ تم نے جو کچھ کیا وہ ٹھیک ہے۔ یقیناً اسلام ان تمام رسموں کو ختم کرتا ہے جو اس سے پہلے تھیں۔ انہوں نے خط کے اندر ایک چھوٹا رقعہ بھیجا اور حضرت عمرؓ نے حضرت عمروؓ کو لکھا کہ یقیناً میں نے تمہاری طرف اپنے خط کے اندر ایک رقعہ بھیجا ہے اس کو دریائے نیل میں ڈال دینا۔ جب حضرت عمرؓ کا خط حضرت عمرو بن عاصؓ کو پہنچا تو انہوں نے وہ رقعہ نکالا اور اس کو کھولا تو اس میں لکھا تھا۔ اللہ کے بندے عمر بن خطاب امیر المومنین کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کی طرف۔ اَمَّا بَعْدُ، اگر تُو خود سے بہ رہا ہے تو نہ بہہ، لیکن اگر اللہ تعالیٰ تجھے چلا رہا ہے تو میں اللہ واحد و قہار سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے چلائے۔ پس حضرت عمروؓ نے وہ رقعہ صلیب کے تہوار سے ایک دن پہلے دریائے نیل میں ڈال دیا۔ جب صبح ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی رات میں سولہ ہاتھ زیادہ پانی دریائے نیل میں جاری کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اہل مصر کی اس رسم کا خاتمہ کر دیا۔

(تاریخ الخلفاء از جلال الدین السیوطی، عمر بن خطاب صفحہ ۱۰۰، مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت لبنان ۱۹۹۹ء)

اکثر تاریخی کتب میں تو اس واقعہ کی تصدیق ہی لکھی ہے لیکن حضرت عمرؓ کے ایک سیرت نگار محمد حسین ہیکل نے اس کی تردید کی ہے کہ ایسی کوئی رسم نہیں تھی۔ (ماخوذ از سیدنا حضرت عمر فاروق اعظم از محمد حسین ہیکل۔ مترجم صفحہ 673 اسلامی کتب خانہ لاہور) بہرحال یہ ایک واقعہ ہے۔

پھر

حضرت ساریہؓ کی جنگ میں حضرت عمرؓ کی آواز سننے کا واقعہ

ہے، پہلے بھی بیان ہو چکا ہے۔ یہاں بھی اس حوالے سے بیان کر دیتا ہوں قبولیتِ دعا کے حوالے سے اور جو اللہ تعالیٰ کا ایک خاص سلوک تھا۔ تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ساریہ بن زُنیم کو فسا اور دارابجرد کے علاقے کی طرف روانہ کیا۔ انہوں نے وہاں پہنچ کر لوگوں کا محاصرہ کر لیا تو اس پر انہوں نے اپنے حمایتی لوگوں کو اپنی مدد کے لیے بلایا۔ وہ لوگ مسلمان لشکر کے مقابلہ کے لیے صحرا میں اکٹھے ہو گئے اور جب ان کی تعداد زیادہ ہو گئی تو انہوں نے ہر طرف سے مسلمانوں کو گھیر لیا۔ حضرت عمرؓ جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے فرمایا ”یَا سَارِیَۃُ ابْنَ زُنَیْمٍ، اَلْجَبَلَ اَلْجَبَلَ“ یعنی اے ساریہ بن زُنیم! پہاڑ پہاڑ۔ مسلمان لشکر جس جگہ مقیم تھا اس کے قریب ہی ایک پہاڑ تھا۔ اگر وہ اس کی پناہ لیتے تو دشمن صرف ایک طرف سے حملہ آور ہو سکتا تھا۔ پس انہوں نے پہاڑ کی جانب پناہ لے لی۔ اس کے بعد انہوں نے جنگ کی اور دشمن کو شکست دی اور بہت سا مال غنیمت حاصل کیا۔

(تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۵۵۳-۵۵۴ دار الکتب العلمیۃ بیروت ۲۰۱۲ء)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اس واقعہ کو بیان فرما کر فرمایا ہے کہ صحابہ سے ایسے خوارق کثرت سے ثابت ہیں۔

(ماخوذ از براہین احمدیہ حصہ چہارم، روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 654 حاشیہ در حاشیہ نمبر 4)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جو مکمل اقتباس ہے وہ مَیں گذشتہ خطبہ میں پڑھ چکا ہوں۔ پس دریائے نیل کے جاری کرنے والے واقعہ کو بھی ہم دیکھیں تو بعید نہیں کہ وہ بھی صحیح واقعہ ہی ہو جس کو بعض تاریخ دان صحیح نہیں مانتے۔

حضرت عمرؓ کی ٹوپی کی برکت اور قیصرِ روم

کے بارے میں ایک ذکر ملتا ہے۔ اس کو حضرت مصلح موعودؓ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک دفعہ قیصر کے سر میں شدید درد ہوا اور باوجود ہر قسم کے علاج کے اسے آرام نہ آیا۔ کسی نے اسے کہا کہ حضرت عمرؓ کو اپنے حالات لکھ کر بھجوا دو اور ان سے تبرک کے طور پر کوئی چیز منگواؤ۔ وہ تمہارے لیے دعا بھی کریں گے اور تبرک بھی بھجوا دیں گے۔ ان کی دعا سے تمہیں ضرور شفا حاصل ہو جائے گی۔ اس نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اپنا سفیر بھیجا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سمجھا کہ یہ متکبر لوگ ہیں۔ میرے پاس اس نے کہاں آنا ہے۔ اب یہ دکھ میں مبتلا ہوا ہے تو اس نے اپنا سفیر میرے پاس بھیج دیا ہے۔ اگر میں نے اسے کوئی اور تبرک بھیجا تو ممکن ہے وہ اسے حقیر سمجھ کر استعمال نہ کرے۔ اس لیے مجھے کوئی ایسی چیز بھجوانی چاہیے جو تبرک کا کام بھی دے اور اس کے تکبر کو بھی توڑ دے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ایک پرانی ٹوپی جس پر جگہ جگہ داغ لگے ہوئے تھے اور جو میل کی وجہ سے کالی ہو چکی تھی اسے تبرک کے طور پر بھجوا دی۔ اس نے جب یہ ٹوپی دیکھی تو اسے بہت بُرا لگا تو اس نے ٹوپی نہ پہنی مگر خدا تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ

تمہیں برکت اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

اسے اتنا شدید دردِ سر ہوا کہ اس نے اپنے نوکروں سے کہا وہ ٹوپی لاؤ جو عمرؓ نے بھجوائی تھی تا کہ میں اسے

اپنے سر پر رکھوں۔ چنانچہ اس نے ٹوپی پہنی اور اس کا درد جاتا رہا۔ چونکہ اسے ہر آٹھویں دسویں دن سردرد ہوجایا کرتا تھا اس لیے پھر تو اس کا یہ معمول ہوگیا کہ وہ دربار میں بیٹھتا تو وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی میلی کچیلی ٹوپی اس نے اپنے سر پر رکھی ہوئی ہوتی۔حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں کہ یہ نشان جو خدا تعالیٰ نے اسے دکھایا اس میں ایک اَور بات بھی مخفی تھی۔ (اور وہ یہ کہ) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی قیصر کے پاس قید تھے اور اس نے حکم دیا تھا کہ انہیں سؤر کا گوشت کھلایا جائے۔ وہ فاقے برداشت کرتے مگر سؤر کے قریب نہیں جاتے تھے۔ گو اسلام نے یہ کہا ہے کہ اضطرار کی حالت میں سؤر کا گوشت کھالینا جائز ہے مگر وہ کہتے تھے کہ میں صحابی ہوں میں ایسا نہیں کرسکتا۔ جب کئی کئی دن کے فاقوں کے بعد وہ مرنے لگتے تو قیصر انہیں روٹی دے دیتا۔ جب پھر انہیں کچھ طاقت آجاتی تو وہ پھر کہتا کہ انہیں سؤر کھلایا جائے۔ اس طرح نہ وہ انہیں مرنے دیتا نہ جینے۔ کسی نے اسے کہا کہ تجھے یہ سردرد اس لیے ہے کہ تُو نے اس مسلمان کو قید رکھا ہوا ہے اور اب اس کا علاج یہی ہے کہ تم عمرؓ سے اپنے لیے دعا کراؤ اور ان سے کوئی تبرک منگواؤ۔ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے ٹوپی بھیجی اور اس کے درد میں افاقہ ہوگیا تو وہ اس سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اس صحابی کو بھی چھوڑ دیا۔ اب دیکھو! کہاں قیصر ایک صحابی کو تکلیف دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی سزا کے طور پر اس کے سر میں درد پیدا کر دیتا ہے۔ کوئی اور شخص اسے مشورہ دیتا ہے کہ عمرؓ سے تبرک منگواؤ اور ان سے دعا کرواؤ۔ وہ تبرک بھیجتے ہیں اور قیصر کا درد جاتا رہتا ہے۔ تو اس طرح اللہ تعالیٰ اس صحابی کی نجات کے بھی سامان کر دیتا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اس پر ظاہر کر دیتا ہے۔

(ماخوذ از سیر روحانی (4)۔ انوار العلوم جلد 19 صفحہ 536-537)

تفسیر رازی میں ہے کہ قیصر نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ مجھے سردرد ہے جو ٹھیک نہیں ہو رہی۔ آپ میرے لیے کوئی دوا بھجوائیں تو حضرت عمرؓ نے اس کے لیے ٹوپی بھجوائی۔ جب وہ اسے اپنے سر پر رکھتا تو اس کے سر میں درد رک جاتی اور جونہی وہ اسے سر سے اتارتا اسے دوبارہ سردرد ہو جاتی۔ پس اس بات سے وہ متعجب ہوا اس نے ٹوپی میں تلاش کیا اور اس میں ایک کاغذ پایا جس میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ لکھا ہوا تھا۔ یہ تفسیر رازی کا ایک ذکر ہے۔

(تفسیر کبیر لامام رازی جلد ۱ صفحہ ۱۴۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت)

حضرت عمرؓ کی دعائیں

ہیں بعض۔ عَمرو بن مَیمُون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اَللّٰھُمَّ تَوَفَّنِیۡ مَعَ الۡاَبۡرَارِ وَلَا تُخَلِّفۡنِیۡ فِی الۡاَشۡرَارِ وَقِنِیۡ عَذَابَ النَّارِ وَاَلۡحِقۡنِیۡ بِالۡاَخۡیَارِ۔ اے اللہ! مجھے نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے اور مجھے برے لوگوں میں پیچھے نہ چھوڑ اور مجھے آگ کے عذاب سے بچا اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد الجزء الثالث صفحہ ۱۷۷ ذکر ہجرة عمر بن الخطاب مطبوعہ دار احیاء التراث العربی ۱۹۹۶ء)

یحییٰ بن سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ جب منٰی سے لوٹے تو اپنے اونٹ کو اَبۡطَحۡ میں بٹھایا اور وادی بَطۡحَا کے پتھروں سے ایک ڈھیر بنایا اور اس پر اپنی چادر کا ایک کنارہ بچھا کر لیٹ گئے اور اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کرنے لگے۔ اَللّٰھُمَّ کَبُرَتۡ سِنِّیۡ وَضَعُفَتۡ قُوَّتِیۡ وَانۡتَشَرَتۡ رَعِیَّتِیۡ فَاقۡبِضۡنِیۡ اِلَیۡكَ غَیۡرَ مُضَیِّعٍ وَّلَا مُفَرِّطٍ اے اللہ! میری عمر زیادہ ہوگئی ہے اور میری قوت کم ہوگئی ہے اور میری رعیّت پھیل گئی ہے۔ تو مجھے بغیر ضائع کیے اور کم کیے وفات دے دے۔ پس ابھی ذوالحجہ کا مہینہ ختم نہیں ہوا تھا کہ آپؓ پر حملہ ہوا اور آپ کی شہادت ہوگئی۔

(اسد الغابہ جلد ۴ صفحہ ۱۶۲ عمر بن الخطاب دار الکتب العلمیة بیروت)

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ قحط کے دنوں میں حضرت عمرؓ نے ایک نیا کام کیا جسے وہ نہ کیا کرتے تھے۔ وہ یہ تھا کہ لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھا کر اپنے گھر میں داخل ہو جاتے اور آخر شب تک مسلسل نماز پڑھتے رہتے۔ پھر آپ باہر نکلتے اور مدینہ کے اطراف میں چکر لگاتے رہتے۔ ایک رات سحری کے وقت میں نے ان کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اَللّٰھُمَّ لَا تَجۡعَلۡ ھَلَاكَ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ عَلٰی یَدَیَّ۔ اے اللہ! میرے ہاتھوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہلاکت میں نہ ڈالنا۔

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد جزء ۳ صفحہ ۲۳۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیة بیروت ۱۹۹۰ء)

حضرت خلیفة المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ’’انسان کو چاہئے کہ اپنے خدا تعالیٰ کے واسطے خالصةً عبادت کرے پھر خواہ خلقت اس کو برا سمجھے یا بھلا اس امر کی پرواہ نہیں چاہئے اور اپنے ظاہر کو جان بوجھ کر بُرا بنانا آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سکھلائی ہوئی اس دعا سے ناجائز ثابت ہوتا ہے۔ وہ دعا آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو سکھلائی تھی اور اس طرح ہے اَللّٰھُمَّ اجۡعَلۡ سَرِیۡرَتِیۡ خَیۡرًا مِّنۡ عَلَانِیَتِیۡ وَاجۡعَلۡ عَلَانِیَّتِیۡ صَالِحَةً۔ اے اللہ! میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنا اور میرے ظاہر کو اچھا کر۔‘‘

(حقائق الفرقان جلد چہارم صفحہ ۴۸۲)

حضرت عمرؓ کا مسجد نبوی اور نماز کے آداب کا خیال رکھنا،

اس بارے میں یہ روایت ہے۔حضرت سائب بن یزیدؓ سے روایت ہے۔ وہ کہتے تھے کہ میں مسجد میں کھڑا تھا کہ ایک شخص نے مجھے کنکر ماری۔ میں نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر بن خطابؓ ہیں۔ انہوں نے کہا جاؤ ان دونوں کو میرے پاس لے آؤ۔ دو شخص تھے جو اونچی اونچی باتیں کر رہے تھے۔ میں ان دونوں کو لے آیا۔حضرت عمرؓ نے کہا تم دونوں کون ہو یا کہا تم کہاں سے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم طائف کے باشندوں میں سے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ اگر تم اس شہر کے باشندے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں تم اپنی آوازیں بلند کرتے ہو۔

(صحیح البخاری کتاب الصلاة باب رفع الصوت فی المسجد حدیث ۴۷۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمرؓ کا طریقہ یہ تھا کہ

جب تک صفیں برابر نہیں ہوتی تھیں اس وقت تک اَللّٰہُ اَکۡبَرُ نہیں کہتے تھے

بلکہ صفیں سیدھی کروانے کے لیے ایک شخص مقرر فرمایا ہوا تھا۔ ابو عثمان نَہۡدِی نے کہا کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ جب نماز کے لیے اقامت ہوتی تو قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے یعنی لوگوں کی طرف منہ کر کے فرماتے اے فلاں! آگے ہو جاؤ اور اے فلاں! پیچھے ہو جاؤ۔ یعنی صفیں سیدھی کر رہے ہوتے تھے۔تم اپنی صفوں کو سیدھی رکھو۔ جب صفیں سیدھی ہو جاتیں تو پھر آپ قبلہ کی طرف منہ کر کے اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کہتے۔

(سیرت عمر بن الخطاب از ابن جوزی صفحہ 165۔ مکتبہ مصریة الازہر)

حضرت عمرؓ کی مالی قربانی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ

کرنے کے بارے میں ایک روایت ہے۔ اَور بھی بہت ساری روایتیں ہیں۔حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے خیبر میں کچھ زمین حاصل کی اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس کے متعلق مشورہ کرنے آئے۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ! میں نے خیبر میں زمین حاصل کی ہے۔ میرے نزدیک اس سے بہتر مجھے کبھی کوئی جائیداد نہیں ملی۔ آپؐ مجھے اس کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر تم چاہو تو اصل زمین وقف کر دو اور اس کی آمدنی غرباء پر خرچ کرو۔ نافع کہتے تھے کہ پھر حضرت عمرؓ نے وہ صدقہ میں دے دی اس شرط پر کہ نہ وہ بیچی جائے اور نہ کسی کو ہبہ کی جائے، نہ ورثاء میں تقسیم کی جائے اور انہوں نے وہ زمین محتاجوں اور رشتہ داروں، غلاموں کے آزاد کرنے، اللہ کی راہ میں اور مسافروں اور مہمانوں کے لیے وقف کر دی اور جو زمین کا نگران ہو اس کے لیے کوئی ہرج نہیں کہ وہ اس میں سے دستور کے مطابق خود کھائے اور کھلائے مگر مال کو جمع کرنے والا نہ ہو۔

(صحیح البخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الوقف حدیث ۲۷۳۷)

جب بھی موقع آیا حضرت عمرؓ نے قربانی کرنے میں بڑھنے کی کوشش کی۔ وہ بھی موقع تھا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کی قربانی کی تحریک فرمائی تو اپنا آدھا مال لے کر آ گئے۔ پہلے بھی یہ واقعہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن خشیت الٰہی کا یہ حال تھا کہ جب فوت ہونے لگے تو آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور فرماتے تھے کہ میں کسی انعام کا مستحق نہیں ہوں۔ میں تو صرف یہ جانتا ہوں کہ سزا سے بچ جاؤں۔

(ماخوذ از خطبات محمود جلد 10 صفحہ 24)

یہ تھا آپ کا خشیت، خوف خدا کا حال۔ بہرحال ابھی تھوڑی سی باتیں ہیں جو آئندہ بھی ان شاء اللہ بیان ہو جائیں گی۔

(الفضل انٹرنیشنل 10؍ دسمبر 2021ء)

☆…☆…☆

کاشف احمد

اپنے آپ سے دوستی کیجیے

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر کسی کو دوستوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر دوستی کرنے سے پہلے ہزار بار سوچیں کیونکہ دوست ہوتا نہیں ہر ہاتھ ملانے والا۔ دوستی امانت داری کا نام ہے اور مشکل میں ساتھ کھڑے رہنے کا ہی نہیں ساتھ نبھانے کا بھی نام ہے۔ معمولی تعلق نہیں، یہ تو خونی رشتوں سے بھی کئی بار اعلیٰ اور افضل درجہ پا جاتا ہے۔

ہمیں اپنے آپ سے دوستی کرنی چاہیے کیونکہ اپنی ذات سے اچھا دوست نہیں ہوتا اپنی ذات سے اچھا نقاد کوئی نہیں ہوتا۔ اسی لئے ہمیں اپنا دوست ضرور بن جانا چاہیے، اس سے قبل کے ہم اپنے بدترین دشمن بن جائیں۔

ہماری غلطی پہ ہمارا اپنا ضمیر جتنی لعنت ملامت کرتا ہے کوئی اور نہیں کرسکتا۔ خود سے دوستی کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہم کسی کے مذاق کا نشانہ نہیں بنتے کیونکہ دوستی میں اکثر ہوتا ہے کہ ہم اپنی بہت سی ایسی باتیں اپنے قریبی دوست سے شیئر کر دیتے ہیں اور پھر وہی باتیں ہمارے لئے سزا بن جاتی ھیں کیونکہ جب وہ باتیں ہمارا دوست اپنے قریبی دوست سے شیئر کرتا ہے تو وہ اک خبر بن جاتی ہیں۔

اس لئے اپنے ساتھ وقت گزارنا اور خود کو وقت دینا بہت ضروری ہے۔ اپنے آپ سے کبھی گپ شپ کر کے دیکھیں اور کبھی خود کو جگت ماریں اور اکیلے میں بھی ہنس کر کبھی رو کر کبھی سنجیدگی سے اپنے بارے سوچ کر دیکھیں۔

کوئی انہونی نہیں، یہ اکثر ہوتا ہے، ہم بہت سی باتیں اپنے بہن بھائیوں سے شیئر نہیں کرتے دوستوں سے کر دیتے ہیں اور دوست کیا کرتے ہیں یا شاید وہ دوست ہوتے ہی نہیں، اس لئے خود سے بھی باتیں کریں، میرا مطلب خود کلامی ہرگز نہیں، نہ ہی آپ کو خود پسند اور تنہا کرنا مقصد ہے۔ بن اپنے آپ کے ساتھ بھی خوش رہنا چاہیے۔ میں تو خود کو بہت مس کرتا ہوں اور ہر وقت اپنے ساتھ رہنے کا موقع تلاش کرتا ہوں۔

دوستوں کے بیچ باتیں امانت ہوتی ہیں اور وہ اس کے امین ہوتے ہیں ہمارا مگر ہم شاید ایسی باتیں لکھتے پڑھتے اور بولتے تو ہیں مگر ان پہ عمل نہیں کرتے

غلطیاں کس سے نہیں ہوتیں ایک انسان جو اپنی کی ہوئی غلطی پہ خود بھی پشیمان ہوتا ہے اس کو اور شرمندہ کرنا کیا زیادتی نہیں؟ اس طرح تو وہ ساری زندگی اس ملامت سے خود کو آزاد نہیں کر پاتا جو اس کا ضمیر اسے کرتا رہتا ہے۔ بچوں کی تو شخصیت ہی مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔ جیسے ایک بچے سے جب کوئی نقصان ہوتا ہے، کوئی کھلونا یا گھر کی قیمتی چیز ٹوٹ جاتی ہے تو وہ خود بھی بہت پریشان ہو جاتا ہے ڈر جاتا ہے۔ اس پہ اگر اس کے والدین یا اس کے بڑے اسے ڈانٹنا یا مارنا شروع کر دیں تو بچے پہ اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ مادی نقصان کوئی نقصان نہیں ہوتا اصل نقصان اخلاقی اور روحانی ہوتا ہے۔ بچوں کو اخلاقی قدروں عقائد اور حفظ مراتب سکھائیں۔ انہیں بتائیں کہ لوگ پیار اور اہمیت دینے کے لئے ہوتے اور چیزیں استعمال کرنے کے لئے ہوتی ہیں نہ کہ پیار کرنے اور لوگوں سے زیادہ اہمیت دینے کے لئے۔

اور ان چیزوں میں موبائل، لیپ ٹاپ اور دوسری ایسی چیزیں سرفہرست ہیں۔

ہم کیوں دوسروں کی جستجو میں اس حد تک لگے رہتے ہیں؟ کیوں کسی کے بارے میں جاننے کے لئے اوچھے ہتھکنڈے بھی استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے؟ کیوں یہ سب حاصل کرنے کے لئے دوستیوں کا ناٹک رچا لیتے ہیں؟۔ اس سے آخر حاصل کیا ہوتا ہے؟

کسی کی ہنسی اڑا لینے سے کیا تسکین ملتی ہے؟ کئی بار لوگوں کا کسی پہ ہنسنا اسے نفسیاتی مریض بنا دیتا ہے مگر ہم لوگ اس بات کی بالکل پرواہ نہیں کرتے کہ ہمارا چند گھڑی کا ہنسی ٹھٹھا کسی کی زندگی کا عذاب بنا رہا ہوتا ہے

ہمیں اپنی عزت بڑی عزیز ہوتی ہیں ذرا سی بات پہ ہم لڑنے مرنے پہ اتر آتے ہیں مگر دوسروں کے بارے ایسی بات کر جاتے ہیں (جانے میں کہیں یا انجانے میں اس سے بحث نہیں) جو اس کے وقار کو ٹھیس پہنچاتی ہیں۔ ہمیں اپنی پسند نہ پسند بہت عزیز ہوتی ہے مگر دوسروں کو کس بات سے تکلیف ہوتی ہے اور کیا اچھا لگتا ہے، ہمیں اس کا خیال بھی نہیں آتا۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کے کسی کو کسی بات یا صورت حال سے شدید تکلیف ہوتی ہو اور ہمارے لئے وہ عام سی بلکہ شائد اچھی بات ہو۔ ہم کیوں یہ سوچتے ہیں کہ جیسے مجھے اچھا لگتا ہے سب کو اچھا لگتا ہے اور جو مجھے برا لگتا ہے سب کو برا لگنا چاہیے؟ اور بس صرف وہی برا لگنا چاہئے کچھ برا لگنا جو مجھے پسند ہے اس کی کسی اور کو اجازت ہے نہ اسے اس کی جسارت کر چاہیے ؟۔ اسی طرح کسی کو اگر کوئی الرجی ہے تو کیوں ہے؟ اس کی اجازت اس نے آپ سے کیوں نہیں لی؟

کیا ہم دوسری کی عزتوں کا پاس نہیں کر سکتے؟ انسان اتنا خود غرض کیوں ہو جاتا ہے؟ انسان کے پاس ہوتا کیا ہے روپیہ پیسہ طاقت اور اثر رسوخ؟ یہ سب آنے جانے والی چیزیں ہیں رہنے والی شے ہے تو اس کا نام اس کی عزت ہے۔ ذرا سوچ کر بتائیں آپ کو اپنے آباؤ اجداد میں کس پیڑھی تک کے نام یاد ہیں؟ اور آپ نے آگے اپنی اولاد کو کہاں تک ان کا بتایا؟ کیا اسی طرح خود کو بھی یاد رکھوانا چاہتے ہیں؟ یا پھر ایک نامور باعزت انسان کی طرح جس کا نام صدیوں یاد رکھا جاتا ہے اور ہر ایک ہمیشہ عزت سے ذکر کرتا ہے۔ اس کو امر ہو جانا کہتے ہیں۔

ہم کیوں خود کو اعلیٰ و افضل ثابت کرنے کے چکر میں دوسروں کو پاؤں کی دھول بنا دینا چاہتے ہیں جبکہ ہم جانتے ہیں کہ اعلیٰ کوئی ہے تو اچھے کردار اخلاق اور قابل بھروسہ ہونے کی وجہ سے۔

خیر بات کہاں سے کہاں نکل گئی مگر شائد یہ سب کہنا بھی فائدہ مند اور ضروری بھی تھا

بس اپنے دوست بنیے خود سے دوستی کیجیے اپنے باتیں خود کو بتائیں اور جن باتوں کو راز رکھنا چاہتے ہیں وہ قریبی دوست کو بھی مت بتائیں کیونکہ اس کے بھی قریبی دوست ہو سکتے ہیں۔

بقیہ: فرمان خلیفۂ وقت ...... از صفحہ 1

اپنے مقصد کو حاصل کرنے کا دعویٰ اسی صورت میں حقیقت ہوگا جب ہر درجے اور اس سیڑھی کا ہر قدم جس پر تم کامیابی سے چڑھ جاؤ تمہیں اگلے قدم یا اگلے درجے کی طرف لے جانے والا ہو۔ پس نیکیوں کی معراج حاصل کرنے کے لئے تمام نیکیاں بجالانا ضروری ہے۔ اس لئے کسی ایک نیکی کو بھی کسی صورت میں بھی کم نہ سمجھو۔ کیونکہ آخری منزل پر پہنچنے تک ہر وقت یہ خطرہ ہے۔ جب تک تم آخری منزل تک پہنچ نہیں جاتے یہ خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے کہ کسی ایک قدم پر کسی ایک سیڑھی پر سے بھی تمہارا پاؤں کہیں پھسل نہ جائے۔ اگر پاؤں پھسلا تو تم پھر اپنی پہلی حالت میں واپس آ جاؤ گے۔ اس لئے وہی مومن فلاح پانے والے ہوں گے جو ہر سیڑھی پر پاؤں رکھتے ہوئے اپنے مقصد حیات کو حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی جنتوں تک پہنچ جائیں گے اور جب وہاں پہنچ جائیں گے تو فرمایا پھر فکر کی کوئی بات نہیں ہے تم اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو کیونکہ اب تمہاری اس محنت کی قدر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ بھی تمہاری حفاظت کرے گا۔“

(خطبہ جمعہ 20/ اگست 2004ء بحوالہ الاسلام)

درخواست دعا

محترم منیر مسعود صاحب ناظم اعلیٰ علاقہ لاہور کی بھاوجہ اہلیہ مکرم شاہد محمود صاحب سابق آڈیٹر علاقہ لاہور بعارضہ کووڈ ہسپتال میں تین ہفتہ سے زیر علاج ہیں۔ کل سے آکسیجن لیول گرنے کی وجہ سے وینٹیلیٹر پر ہیں۔ شفاء کاملہ و عاجلہ کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE
www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION Download on the App Store Google play
اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں

کوئی ایسا نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہیں آسکتا جس کے پاس مہر نبوت محمدیؐ نہ ہو۔ ہمارے مخالف الرائے مسلمانوں نے یہی غلطی کھائی ہے کہ وہ ختم نبوت کی مہر کو توڑ کر اسرائیلی نبی کو آسمان سے اُتارتے ہیں۔ اور مَیں یہ کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی اور آپ کی ابدی نبوت کا یہ ادنیٰ کرشمہ ہے کہ تیرہ سو سال کے بعد بھی آپؐ ہی کی تربیت اور تعلیم سے مسیح موعود آپ کی امت میں وہی مہر نبوت لے کر آتا ہے۔ اگر یہ عقیدہ کفر ہے تو پھر مَیں اس کفر کو عزیز رکھتا ہوں لیکن یہ لوگ جن کی عقلیں تاریک ہوگئی ہیں جن کو نورِ نبوت سے حصہ نہیں دیا گیا اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ اور اس کو کفر قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ بات ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اور آپ کی زندگی کا ثبوت ہوتا ہے۔

(الحکم 10 جون 1905ء صفحہ 2)

آج کی دعا

رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّ ثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَ انۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۲۵۱﴾

(البقرہ: 251)

ترجمہ: اے ہمارے ربّ! ہم پرصبر نازل کر اور ہمارے قدموں کو ثبات بخش اور کافر قوم کے خلاف ہماری مدد کر۔

یہ قرآنِ مجید کی ثباتِ قدم اور نصرتِ الٰہی کے دیئے جانے کی عظیم الشان دعا ہے۔

پیارے امام عالی مقام سیّدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بارہا اس دعا کی تحریک فرمائی ہے۔ آپ ایدّہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں

جماعت احمدیہ کا ہر فرد جس ملک میں بھی رہتا ہے اُس کا وفادار ہے اور ہونا چاہئے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ رہے گا۔ وفا کا یہ تقاضا ہے کہ ہم یہ بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ملکوں کو ظالموں کے پنجے سے آزاد کرے اور ہم پر کبھی ایسے حاکم مسلّط نہ کرے جو رحم کرنا نہ جانتے ہوں۔ ہم دنیاوی تدبیر کے لئے قانونی چارہ جوئی تو کرتے ہیں لیکن قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لیتے۔ ہاں اپنے رب کے حضور جھکتے ہیں۔ ہمارا زیادہ انحصار، قانونی چارہ جوئی کرنے سے زیادہ انحصار اپنے ربّ کے حضور جھکنے میں ہے۔ اس سے دعائیں کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مدد پر ہمارا انحصار ہے۔ اس کی رحمتوں پر ہمارا انحصار ہے۔ اور اب بھی ہم ہمیشہ کی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور ہی جھکیں گے۔ ہمیشہ یہ دعا پڑھتے رہیں رَبَّنَآ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّ ثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَ انۡصُرۡنَا عَلَی الۡقَوۡمِ الۡکٰفِرِیۡنَ (البقرہ: 251) اللہ کرے کہ ہمارے میں سے کسی ایک کے بھی پاؤں ثبات میں کبھی لغزش نہ آئے۔

(خطبہ جمعہ 11 فروری 2011ء)

مرسلہ: مریم رحمٰن

چھوٹی مگر سبق آموز بات

طلوع فجر کے بعد سورج نکلنے تک نوافل جائز نہیں

ایک شخص کا سوال حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں پیش ہوا کہ نمازِ فجر کی اذان کے بعد دوگانہ فرض سے پہلے اگر کوئی شخص نوافل ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا نمازِ فجر کی اذان کے بعد سورج نکلنے تک دو رکعت سنت اور دو رکعت فرض کے سوا اور کوئی نماز نہیں۔

(بدر 7 فروری 1907ء صفحہ 4)

مرسلہ: بشریٰ نذیر آفتاب۔ سسکاٹون، کینیڈا

13 دسمبر 2021ء

		طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ	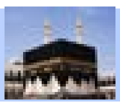	05:28	17:40
مدینہ منورہ	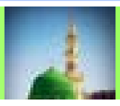	05:33	17:35
قادیان	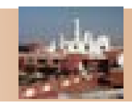	05:53	17:26
ربوہ	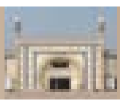	05:32	17:06
اسلام آباد ٹلفورڈ		06:30	15:55